غلبۂ دین کی جدوجہد کرنے والوں کے لیے بعض داخلی خطرات

☆

خالد محمود عباسی

☆

شائع کردہ

شعبہ دعوت وتربیت

تنظیمِ اسلامی

مرکزی دفتر: A-67 علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور

فون: 36293939,36316638,36366638

ای میل: markaz@tanzeem.org www.tanzeem.org

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم ...... بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ
وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ
اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۶﴾ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ
شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ
جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ؕ اَلَآ
اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ
اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ اِنَّ
الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ﴿۲۰﴾ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ
اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۱﴾ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ
اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ
مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ
عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ
الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾ (المجادلہ)

قرآن مجید انسان کے سامنے جس خدا کا تعارف کراتا ہے اُسے دیگر صفات کے ساتھ ساتھ ’’اَلْمَلِكُ‘‘ یعنی بادشاہ کی صفت سے بھی متصف قرار دیتا ہے۔ کیونکہ وہی ہے جس نے کائنات بنائی، وہی اس کا مالکِ حقیقی ہے ﴿لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ (یونس:۶۸) ’’آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اس کی ملک ہے۔‘‘ وہی اس کا پالن ہار/ پرورش کنندہ اور محافظ ہے ﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (الدخان:۷) ’’وہ آسمانوں اور زمین کا ربّ ہے‘‘۔

اور وہی بادشاہ ہے ﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ط﴾ (الاعراف:۵۴) ''سن لو! اسی نے بنایا اور اسی کے لیے حکم (کا اختیار) ہے''۔ پھر بتاتا ہے کہ وہی اور صرف وہی بادشاہ حقیقی ہے ﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ﴾ (المؤمنون:۱۱۶) ''پس بالا و برتر ہے اللہ بادشاہِ حقیقی''۔ یعنی اُس کے سوا بادشاہی کا ہر دعوے دار جھوٹا اور باغی ہے اور اُس کی بادشاہی باطل وطاغوت ہے۔ اسی لیے فرمایا ﴿لَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا ۝۲۶﴾ (الکہف) ''اور وہ (اللہ) اپنی حکومت میں کسی کو شریک نہیں کرتا''۔ اور ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ (یوسف:۴۰، ۶۷) ''فرماں روائی کا اختیار اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں ہے''۔ دس مقامات پر آیا ہے ﴿لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ (الحدید:۲،۵) ''آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کا مالک وہی ہے''۔ اور چھ مقامات پر ﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (الجاثیۃ:۲۷) ''آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے'' کے الفاظ کے ذریعے اُس کی بادشاہی کو کون و مکاں پر محیط قرار دیتا ہے۔ اُسے ﴿مَلِكِ النَّاسِ ۝۲﴾ (الناس) ''انسانوں کا بادشاہ'' قرار دے کر ﴿بِيَدِكَ الْخَيْرُ﴾ (آل عمران:۲۶) ''بھلائی تیرے اختیار میں ہے'' اور ﴿اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ﴾ (الحشر:۲۳) ''وہ بادشاہ ہے' نہایت مقدس' سراسر سلامتی' امن دینے والا'' کے الفاظ کے ذریعے اُس کی بادشاہی کو خیر و رحمت اور امن و سلامتی کا ضامن قرار دیتا ہے۔ اسی لیے اس ہی کے دین کو دینِ حق قرار دے کر یہ اعلان کرتا ہے کہ ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ (آل عمران:۱۹) ''یقیناً اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے''۔ گویا ماسوائے دینِ حق اسلام کے سب دجل وفریب اور بغاوت وطاغوت ہے۔ پھر وہ نوعِ انسانی کو بادشاہِ حقیقی کے انصاف اور بدلے کے دن سے خبردار کرتا ہے جس میں تمام معاملات و اختلافات کا فیصلہ ہوگا۔ ﴿وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۵﴾ (الحدید) ''اور تمام معاملات (فیصلے کے لیے) اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں''۔ اور اُس وقت باغی اور طاغی[1] اپنے کانوں سے ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾ (المؤمن:۱۶) ''آج بادشاہی کس کی ہے؟'' کی صدا سنیں گے۔

قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ بادشاہی پوری کائنات میں جاری و ساری ہے۔ ﴿وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝۷﴾ (الرحمٰن) ''اور آسمان کو اُس نے بلند کیا اور میزان

---

(۱) سرکش

قائم کر دی''۔ یہاں تک کہ انسان کے وجود پر' اُس کے دل کی دھڑکن پر' اُس کی گردشِ خون پر اور اُس کے بالوں تک کے گھٹنے بڑھنے پر اُس کی بادشاہی ہے۔ تاہم انسان کو آزمائش اور امتحان کے لیے کچھ اختیار بھی دیا گیا ہے تاکہ وہ بادشاہِ حقیقی کو پہچان کر اُس کی غلامی (بندگی) کرے۔ ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝۵۶﴾ (الذّٰریٰت) ''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اِس کے سوا کسی کام کے لئے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری بندگی کریں''۔ لیکن بسا اوقات ایسا ہوا کہ انسان نے اپنے اس اختیار کو غلط استعمال کیا اور خود ہی بادشاہی کا دعوے دار بن بیٹھا۔ کبھی اس نے ﴿اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ﴾ (الزُّخرف:۵۱) ''کیا مصر کی بادشاہی میری نہیں ہے؟'' کہہ کر بغاوت کی اور کبھی ''سلطانیٔ جمہور کا آتا ہے زمانہ'' کا نعرہ لگا کر سرکشی کی انتہا کر دی۔

باغی گروہوں کا انجام

قرآن کریم کے نزدیک اللہ کے خلاف اس بغاوت اور سرکشی کا نام ''فتنہ وفساد'' ہے۔ اسی کو وہ طاغوت بھی قرار دیتا ہے۔ انسان کی رہنمائی کے لیے وہ ایسی قوموں کی تاریخ نشانِ عبرت کے طور پر بیان کرتا ہے جنہوں نے اپنی حدود سے تجاوز کر کے زمین کو فتنہ وفساد سے بھر دیا تو بادشاہِ حقیقی نے اُن پر عذاب کا کوڑا برسایا۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝۶ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝۷ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝۸ وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝۹ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ ۝۱۰ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۝۱۱ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ۝۱۲ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝۱۳ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝۱۴﴾ (الفجر)

''(اے نبی ﷺ) کیا آپ ؐ نے دیکھا نہیں کہ تمہارے ربّ نے کیا برتاؤ کیا اُونچے ستونوں والے عادِ ارم کے ساتھ' جن کے مانند کوئی قوم (دنیا کے) ملکوں میں پیدا نہیں کی گئی تھی؟ اور ثمود کے ساتھ جنہوں نے وادی میں چٹانیں تراشی تھیں؟ اور میخوں والے فرعون کے ساتھ؟ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے (دنیا کے) ملکوں میں بڑی سرکشی کی تھی اور اُن میں بہت فساد پھیلایا تھا۔ آخر کار تمہارے ربّ نے اُن پر عذاب کا کوڑا برسا دیا۔ بے شک تیرا ربّ گھات لگائے ہوئے ہے''۔

یہی وہ فسادی گروہ ہے جو تاریخ میں مختلف ناموں سے سرگرم رہا ہے۔ دنیا دار الامتحان

ہے۔یعنی یہاں کی زندگی آزمائش کے لیے ہے۔حق و باطل کی کشاکش ہی اصل آزمائش ہے کہ اَلْمَلِكُ الْحَقُّ کے باغیوں کا ساتھ دے کر انسان باغیوں میں شامل ہوا ہے یا اُن کے خلاف بغاوت کر کے اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ کے وفاداروں کے گروہ میں شمولیّت اختیار کی ہے۔باغیوں اور وفاداروں کے درمیان معرکۂ حق و باطل ہمیشہ سے گرم چلا آرہا ہے۔؎

ستیزہ کار(۱) رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

پس وفاداروں کے لیے لازم ٹھہرا کہ وہ بادشاہِ حقیقی کے باغیوں کا مقابلہ کریں' اُن کی بغاوت ختم کریں اور اُس کی بادشاہت کو آسمانوں ہی کی طرح زمین پر بھی قائم و بحال کرنے میں اپنی صلاحیتیں اور وسائل صرف کر دیں۔اللہ کے وفاداروں کا گروہ ''حزب اللہ'' اور اُس کے باغیوں کا گروہ ''حزب الشیطان'' کہلایا۔تاہم کچھ لوگ اس معرکے میں بظاہر غیر جانب دار بھی نظر آتے ہیں۔یہ لوگ ﴿لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ﴾(النساء:۱۴۳)''نہ پورے اِس طرف ہیں اور نہ پورے اُس طرف'' اور ﴿مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ﴾(المجادلۃ:۱۴)''وہ نہ تمہارے ہیں نہ ان کے'' کا طرزِ عمل اپنائے نظر آتے ہیں اور مطمئن رہتے ہیں کہ وہ امن پسند ہیں اور صلح و رواداری جیسی صفاتِ عالیہ کے حامل ہیں۔لیکن بادشاہِ حقیقی کے خلاف برپا بغاوت و سرکشی کو گوارا کر کے اور اُس کے خلاف سرگرم عمل نہ ہو کر اُنہوں نے درحقیقت بغاوت کو عملاً تسلیم کر لیا ہوتا ہے اور وفاداری کے تقاضے سے انحراف کیا ہوتا ہے۔اِس لیے بادشاہِ ارض و سماء کے نزدیک غیر جانب داروں کا یہ گروہ بھی ''حزب الشیطان'' ہی قرار پاتا ہے۔

﴿اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ﴾(المجادلۃ:۱۹)

''شیطان اُن پر چھا گیا تو اُس نے انہیں اللہ کی یاد سے غافل کر دیا' یہ لوگ شیطان کی پارٹی ہیں۔''

اور نتیجتاً آزمائش اور امتحان میں ناکام قرار پاتا ہے۔

﴿اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝﴾ (المجادلۃ)

''سن لو! بے شک شیطان ہی کی پارٹی خسارے میں ہے''۔

(۱) لڑنے والا

وفاداروں کے لیے عنایات

جن لوگوں نے پوری تن دہی سے اللہ کی بادشاہی کو قائم کرنے کے لیے جان و مال کی بازیاں کھیلیں اور اللہ' اُس کے رسول ﷺ اور سچے اہلِ ایمان ہی سے دلی اور حقیقی دوستیاں رکھیں اُنہیں بادشاہِ حقیقی نے نہ صرف اپنی جماعت قرار دیا بلکہ انہیں اپنے اولیاء قرار دے کر ﴿لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝﴾ (یونس)''ان کے لیے نہ کسی خوف کا موقع ہے اور نہ رنج و غم کا'' کی خوش خبریاں بھی سنائیں۔مزید برآں اپنی قدرتِ کاملہ سے اُنہیں مدد و نصرت بھی باہم پہنچاتا رہا۔کبھی رسولوں کے ذریعے رشد و ہدایت کا سامان کر کے اور کبھی میزانِ عدل و قسط عطا کر کے اپنی رحمت کے در وا(۱) کیے۔کبھی معجزانہ مدد و امداد کر کے انہیں ''رحمتِ لدُنی''(۲) کی آغوش میں لیا تو کبھی کافروں کے دلوں میں محض ان کا رعب و دبدبہ طاری کر کے ان کی دھاک بٹھا دی۔

باغی گروہوں کے لیے شیطانی امداد

دوسری طرف شیطان بھی اپنے گروہ کو ابھارنے اور اکسانے کے کام سے غافل نہ رہا۔اُنہیں برائی اور بے حیائی کے کام خوبصورت اور مزیّن(۳) کر کے دکھاتا رہا اور اِسی کو تہذیب و تمدن کا شاہکار بتاتا رہا۔مزید برآں بعض حرص و ہوس کے بندوں کو صحیح راستے سے منحرف کرنے کے بعد اُنہیں ایسے دلائل ازبر(۴) کرائے کہ ان کی مدد سے وہ ایک طرف ضمیر کی خلش مٹا سکیں اور دوسری طرف اہلِ حق سے مجادلہ و تعرّض(۵) کی صورت میں انہی دلائل کے علمی سطح پر ابلاغ کے ذریعے بندگانِ خدا کو حق کے معاملے میں مغالطے اور مخمصے(۶) میں مبتلا کرنے کا کام بحسن و خوبی انجام دے سکیں اور اس طرح حق کو دبا دیں۔﴿وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰۗـــِٕــهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ﴾ (الانعام:۱۲۲)''بے شک شیاطین اپنے دوستوں کو خفیہ پیغامات بھیجتے ہیں تاکہ وہ (اے اللہ کی پارٹی) تم سے مجادلہ کر سکیں''۔اور ﴿وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ﴾ (الکہف:۵۶)''اور کافر باطل (دلائل) سے تکرار کرتے ہیں تاکہ اس کے ذریعے حق کو دبا سکیں''۔

(۱) دروازے کھولے (۲) اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت (۳) سجایا ہوا (۴) یاد کرنا
(۵) بحث و مباحثہ (۶) الجھن

موجودہ دَور میں تلبیس[۱] ابلیس کا مظہر

شیطان کے اس آخرالذکر حربے کا تفصیلی تذکرہ موجودہ حالات کے تناظر میں ضروری محسوس ہوتا ہے۔ مغرب کے سیاسی وعسکری تسلط کے بعد تہذیبی وثقافتی سطح پر اسلام اور مغرب کے درمیان متصادم نظریات کی خلیج پاٹنے کی جس صحیح ودرست ضرورت کا احساس سرسید احمد خان کو ہوا اُس کے لیے جب کوئی غزالی اور ابنِ تیمیہ میسر نہ آسکا تو بدقسمتی سے اس کام کے لیے وہ لوگ آگے بڑھے جو مغرب کی طاقت سے خوفزدہ' اُن کے فکر وفلسفہ سے متأثر اور اُن کی تہذیب وتمدن ہی کو ترقی کا زینہ سمجھتے تھے۔ پھر مزید بدقسمتی یہ ہوئی کہ رفتہ رفتہ اس مقام پر حرص وہوس کے ایسے غلاموں نے قبضہ جما لیا جن کا مقصد دین اسلام کی ایسی تصویر کشی کرنا تھا جو مغرب کے لیے قابل قبول ہو سکے۔ اس کام کے لیے حدیث کا انکار کیے بغیر چارہ نہ تھا۔ کیونکہ قرآن کی آیات کو حسب خواہش معنی دینا اس کے بغیر ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فتنۂ انکارِ حدیث مغربی تعلیم سے آراستہ ذہنوں میں بڑی آسانی سے سرایت کرتا چلا گیا۔ چنانچہ اس وقت الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے ساتھ ساتھ اربابِ بست وکشاد[۲] کے لیے چہیتے اور مقبول ترین وہ مفکرین ودانشور ہیں جو اسلام کی نوک پلک مغربی خاکے سے ہم آہنگ کر کے سنوارنے میں لگے ہوئے ہیں۔ موسیقی' ستر وحجاب' عورت کی گواہی' عائلی قوانین' ربا اور جہاد وقتال وہ موضوعات ہیں جن کی سرجری کی جاتی ہے اور قرآن مجید سے ان کے دلائل حاصل کرنے کے لیے اُس کی آیات کو احادیث وسنت سے علیحدہ کر کے اور بعض اوقات سیاق وسباق سے بھی کاٹ کر من پسند معنی پہنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس طرح عام ذہن شکوک وشبہات کا شکار ہوتا ہے۔ سورۃ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ نے حزب اللہ کے لیے ایسے لوگوں کا تفصیلی تعارف کرایا ہے۔

﴿يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝۲۶﴾

''وہ بہتوں کو اس (قرآن) کے ذریعے گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو اس کے ذریعے ہدایت دیتا ہے۔ تاہم وہ اس کے ذریعے گمراہ صرف حکم سے نکل جانے (انحراف کرنے) والوں کو کرتا ہے''۔

پھر اُن منحرفین کی حقیقت مزید اجاگر کرنے کے لیے فرمایا:

(۱) فریب دینا (۲) اعلیٰ حکام

﴿اَلَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۪ وَيَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۲۷﴾

''وہ لوگ جو اللہ کے عہد کو مضبوط باندھ لینے کے بعد توڑ ڈالتے ہیں اور اُن رابطوں کو کاٹتے ہیں جنہیں اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا اور جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو خسارہ اٹھانے والے ہیں''۔

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کے میثاق کا ذکر بادشاہِ حقیقی کی اطاعت ووفاداری (جس میں بغاوت فرو[۱] کرنا شامل ہے) کے لیے آتا ہے۔ یہ لوگ اُس عہد کو توڑتے ہیں' جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ غیرتِ ایمانی اور حمیتِ دینی سے محرومی اختیار کرتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ جسے اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے اُسے توڑتے ہیں۔ اِس میں رحمی رشتے شامل ہیں۔ تاہم وہ معاملہ اس سے بالاتر ہو گا جس کے لیے رحمی رشتے بھی پسِ پشت ڈالنا تقاضائے ایمانی قرار پائے' یعنی دین اسلام کی سربلندی کے لیے اپنے آپ کو نظم سے جوڑنا' جس کا حکم دیا گیا ہو اس حدیث قدسی میں کہ اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں:

((اَنَا آمُرُكُمْ بِخَمْسٍ اللّٰهُ اَمَرَنِیْ بِهِنَّ : بِالْجَمَاعَةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ))[۲]

''(مسلمانو!) میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں' اللہ نے مجھے ان کا حکم دیا ہے: التزامِ جماعت کا' (امیر کا حکم) سننے اور ماننے کا' ہجرت کا اور اللہ کے راستے میں جہاد کا!''

اور جس کے بغیر دعوائے اسلام خیالِ خام ہو:

((اِنَّهٗ لَا اِسْلَامَ اِلَّا بِجَمَاعَةٍ وَلَاجَمَاعَةَ اِلَّا بِاِمَارَةٍ وَلَا اِمَارَةَ اِلَّا بِطَاعَةٍ))[۳]

''یہ ایک حقیقت ہے کہ جماعت کے بغیر اسلام نہیں ہے' اور امارت کے بغیر جماعت نہیں ہے' اور امارت کا کوئی فائدہ نہیں اگر اس کے ساتھ اطاعت بھی نہ ہو''۔

اس سے جان بوجھ کر انحراف کرنے والے اور نتیجتاً زمین میں جاری بغاوت وفساد کو گوارا کرنے والے ہی وہ لوگ ہیں جو قرآن سے ہدایت کی بجائے گمراہی لیتے ہیں۔

(۱) دبانا (۲) مسند احمد ۱۳۰/۴۔ وسنن الترمذی' کتاب الامثال' باب ما جاء فی مثل الصلاۃ والصیام والصدقۃ۔ (۳) سنن الدارمی' کتاب المقدمۃ' باب فی ذھاب العلم۔

سورۃ المجادلۃ میں حزب الشیطان کے ذکر کا اختتام ﴿اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝١٩﴾ ''سن لو! بے شک شیطان کی پارٹی ہی خسارے میں ہے'' کے الفاظِ مبارکہ پر ہوا' جبکہ سورۃ البقرۃ میں اِن فاسقین کے ذکر کا خاتمہ ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝٢٧﴾ ''یہی وہ لوگ ہیں جو خسارہ اٹھانے والے ہیں'' کے الفاظِ مبارکہ پر ہوا' جس سے اس گروہ کا حزب الشیطان سے ربط و تعلق نکھر کر سامنے آتا ہے۔ امریکہ کے چوٹی کے تھنک ٹینک رینڈ فاؤنڈیشن نے اپنے حکمرانوں کو مسلمانوں میں سے ایسے دانش گروں[1] کو تلاش کرنے کا مفید مطلب مشورہ یوں ہی نہیں دیا ہے۔ اس حقیقت سے واقف ہونے کے باوجود اس دانشور گروہ کے مقابلے میں لَا حَوْلَ پڑھنے کی بجائے اگر کوئی اُن کے طرزِ استدلال پر ہمدردانہ رویّہ رکھ کر' اشکالات کا شکار ہو کر ریب و تشکیک[2] میں مبتلا ہو جائے تو اُس کا ذمہ دار وہ خود ہی ہوتا ہے۔ اہل ایمان کے لیے اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کی ہدایت یہ ہے ﴿فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝٨ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ۝٩﴾ (القلم) ''سو تو کہنا مت مان جھٹلانے والوں کا۔ وہ چاہتے ہیں کسی طرح تو ڈھیلا ہو تو وہ بھی ڈھیلے ہوں''۔ اور ﴿وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ۝٢٨﴾ (الکہف) ''اور نہ کہا مان اس کا جس کا دل غافل کیا ہم نے اپنی یاد سے اور پیچھے پڑا ہوا ہے اپنی خوشی کے اور اُس کا کام ہے حد پر نہ رہنا''۔ دراصل یہی وہ لوگ ہیں جو غیروں کی خواہش کے لیے ﴿ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ﴾ (یونس:١٥) ''اس کے سوا کوئی دوسرا قرآن لے آؤ یا اسے تبدیل کرو'' کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اگر یہودی پروٹوکالز کا مطالعہ کیا جائے تو جو شخص یہودیوں کے بڑوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے اپنا ایجنڈا سامنے لاتا ہے' وہ بے اختیار ابلیسِ لعین ہی محسوس ہوتا ہے۔ شاید اسی احساس کے زیرِ اثر علامہ اقبال نے مشہورِ زمانہ نظم ''ابلیس کی مجلسِ شوریٰ'' کہی تھی۔ بہر حال موجودہ حالات کے تناظر میں شیطان کی اپنے گروہ کو مدد دینے کی ایک امکانی صورت ہمارے سامنے آشکارا ہوتی ہے جس کی طرف اشارہ ﴿اِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ﴾ (الانعام:١٢٢) ''یقیناً شیاطین اپنے ساتھیوں کو خفیہ پیغامات القا کرتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں'' کے الفاظ میں ہوا ہے۔ اور اس طریقے سے اس دارالامتحان میں وہ ان دانش گروں کی

(١) عقلمندوں (٢) شک وشبہ

ناکامی و خسران کا باعث بنتا ہے۔

شیطانی گروہ کی ہیئتِ ترکیبی

قرآن کریم کے مطالعے سے تاریخ کا یہ سبق بھی سامنے آتا ہے کہ مرورِ ایام[1] کے ساتھ حزب اللہ ہی شیطان کے پھیلائے جال میں آکر حزب الشیطان قرار پاتی رہی۔ ابتدائے آفرینش[2] کی خبر یہ ہے کہ ﴿كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ (البقرۃ:٢١٣) ''لوگ ایک ہی اُمت تھے''یعنی حزب اللہ تھے۔ لیکن ﴿بَغْيًا بَيْنَهُمْ﴾ ''باہم ضدم ضدا'' کے باعث وہ پھٹ گئے اور حزب الشیطان کی بنیاد پڑ گئی۔ مختلف اَدوار میں اللہ تعالیٰ حزب الشیطان کو نیست و نابود کر کے روئے ارضی پر حزب اللہ کو غالب کرتا رہا۔ آخر کار یہود اِس منصب (حزب اللہ) پر فائز کیے گئے۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کر کے وہ بھی حزب الشیطان قرار پائے۔ مزید برآں نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دَور میں بھی حاصل شدہ موقع ﴿عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ﴾ (بنی اسرائیل:٨) ''ہوسکتا ہے کہ اب تمہارا ربّ تم پر رحم کرے'' سے فائدہ نہ اُٹھا سکے۔ نتیجتاً وہ حزب الشیطان کا ہراول دستہ[3] اور سرگرم گروہ ہو گئے۔ اُنہوں نے اپنی سازشوں کے ذریعے عیسائیوں کو اپنا آلۂ کار بنا لیا' جس کی پیشین گوئی قرآن حکیم نے سورۃ المائدۃ میں بایں الفاظ کی:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾ (آیت ٥١)

''اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بنانا۔ اُن میں بعض' بعض کے دوست ہیں''۔

محمدٌ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے تشکیل پانے والی حزب اللہ بھی شیطان اور اُس کے ان حواریوں کی سازشوں سے محفوظ نہ رہ سکی اور رفتہ رفتہ اللہ تعالیٰ کے حقیقی تعارف سے محروم ہوتی چلی گئی۔ مراسم عبودیت کے طور طریقوں پر تو کاربند رہی لیکن اللہ کی بادشاہی کے خلاف بغاوت کرنے والوں کی آلۂ کار ہو گئی' اور انہی یہود و نصاریٰ کی دوستی کا دم بھرنے لگی جس سے اُسے منع کیا گیا تھا' بلکہ اُن کی دوستی میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی دوڑ شروع کر دی۔ واضح رہنا چاہیے دوستی سے مراد باہم خلط ملط اور میل جول بڑھانا ہی نہیں ہے بلکہ اُن جیسے طور طریقے' وضع قطع' پسند و ناپسند اختیار کرنا' آدابِ معاشرت اور تہذیب و تمدن میں اُن کی نقالی کرنا' شرم و حیا اور

(١) وقت گزرنا (٢) آغاز تخلیق (٣) لشکر کے آگے چلنے والا دستہ

ستر وحجاب کے احکامات کی پروا کیے بغیر اُن کی ثقافت کی چکا چوند کا دل دادہ ہونا اور اُن کے فیشن و رسم ورواج پر دلی آمادگی کے ساتھ چلنا بھی دوست بنا لینے کے زمرے میں آتا ہے ؎

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود!

اِس مرض میں صرف مسلمان حکمران ہی گرفتار نہیں ہیں بلکہ مسلم عوام بھی یکساں طور پر مبتلا ہو چکے ہیں۔ لہٰذا قرآن کے اس فتوے ﴿مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ﴾ (المائدۃ:۵۱) ''تم میں سے جو کوئی اُن سے دوستی کرے گا تو وہ بلاشبہ انہی میں سے ہوگا'' کا اطلاق ہر ایک پر اس کی فریفتگی (۱) اور سپردگی کے مطابق ہوتا ہے۔ گویا یہ بھی حزب الشیطان کا حصہ ہیں۔ یعنی وہ حزب اللہ سے نکل چکے ہیں۔ اسی طرف راہنمائی سورۃ المائدۃ کے مذکورہ رکوع میں اِن الفاظِ مبارکہ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ﴾ (آیت ۵۴) ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھرے گا'' کے ذریعے کی گئی ہے۔ اور صاف بتا دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ ایسوں کو معزول کر کے انہی کو حزب اللہ کا حصّہ تسلیم کرے گا جو درج ذیل اوصاف کے مالک ہوں گے:

وفاداروں کے اوصاف

i) وہ (اللہ) اُن سے محبت کرتا ہوگا اور وہ (اہلِ ایمان) اُس (اللہ) سے محبت کرتے ہوں گے۔

ii) اللہ کی محبت میں وہ اہلِ ایمان کے لیے (بریشم کی طرح) نرم اور نہ ماننے والوں کے لیے (فولاد کی طرح) سخت ہوں گے۔

iii) اور اس کی محبت ہی کا ایک مظہر یہ ہوگا کہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوں گے اور کسی کی ملامت کی پرواہ کرنے والے نہ ہوں گے۔

اللہ کی محبت اپنے بندوں کے لیے نقطۂ عروج کو تب پہنچے گی جب بندوں کی اپنے ربّ کے لیے محبت بصورتِ قتال نقطۂ عروج پر نظر آئے گی۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝۴﴾ (الصف) ''بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اُن لوگوں سے جو لڑتے ہیں اُس کی راہ میں صفیں باندھ کر گویا سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں''۔ دوسری طرف

(۱) پسندیدگی

اللہ سے اُن کی محبت کا تذکرہ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ (البقرۃ:۱۶۵) ''اور ایمان رکھنے والے لوگ سب سے بڑھ کر اللہ کو محبوب رکھتے ہیں'' کے الفاظ سے ظاہر ہے' جس کی تفصیل سورۃ المجادلۃ میں بایں طور کی گئی:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۭ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۲۲﴾

''تم کبھی یہ نہ پاؤ گے کہ جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہوں جنہوں نے اللہ اور اُس کے رسولؐ کی مخالفت کی ہے' خواہ وہ ان کے باپ ہوں' یا ان کے بیٹے' یا ان کے بھائی یا اُن کے اہلِ خاندان۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور اپنی طرف سے ایک روح عطا کر کے ان کو قوت بخشی ہے۔ اور وہ ان کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ وہ اللہ کی پارٹی کے لوگ ہیں۔ خبردار رہو! اللہ کی پارٹی والے ہی فلاح پانے والے ہیں''۔

اور سورۃ المائدۃ میں انہی کے بارے میں فرمایا:

﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝۵۶﴾

''اور جو اللہ اور اُس کے رسولؐ اور اہلِ ایمان کو اپنا رفیق بنا لے تو (اسے معلوم ہو کہ) یقیناً اللہ کی جماعت ہی غالب رہنے والی ہے''۔

حزبُ اللہ میں شمولیت کے لیے ان اوصاف کی اہمیت اس حقیقت سے بھی واضح ہوتی ہے کہ ظاہری طور پر حزب اللہ میں شامل کسی فرد میں یہ مطلوبہ اوصاف نہ ہوں تو وہ بھی عنداللہ حزب الشیطان کا حصہ قرار پائے گا۔ فرمایا:

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ

اللّٰہُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰہُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۴﴾﴾ (التوبۃ)

’’آپ کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے باپ‘ اور تمہارے بیٹے‘ اور تمہارے بھائی‘ اور تمہاری بیویاں‘ اور تمہاری برادری‘ اور مال جو تُم نے کمائے ہیں‘ اور تجارت جس کے بند ہونے سے تم ڈرتے ہو اور حویلیاں جن کو تم پسند کرتے ہو‘ تم کو زیادہ پیاری ہیں اللہ اور اُس کے رسولؐ سے اور اس کی راہ میں لڑنے سے‘ تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیج دے۔ اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا‘‘۔

اسی طرح:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْهِمْ ؕ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ وَیَحْلِفُوْنَ عَلَی الْكَذِبِ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَعَدَّ اللّٰہُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾ اِتَّخَذُوْٓا اَیْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ﴿۱۶﴾ لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰہِ شَیْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ؕ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ یَوْمَ یَبْعَثُهُمُ اللّٰہُ جَمِیْعًا فَیَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا یَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰی شَیْءٍ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِسْتَحْوَذَ عَلَیْهِمُ الشَّیْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰہِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾﴾ (المُجادلۃ)

’’کیا آپ نے نہ دیکھا اُن لوگوں کو جو دوست ہوئے ہیں اُس قوم کے جن پر غضب ہوا اللہ کا؟ نہ وہ تم میں سے ہیں اور نہ اُن میں سے ہیں‘ اور قسمیں کھاتے ہیں جھوٹ بات پر حالانکہ وہ (اس کو) جانتے ہیں۔ تیار کر رکھا ہے اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب۔ بے شک بہت برے کام ہیں جو وہ کرتے ہیں۔ بنا رکھا ہے انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال‘ پھر روکتے ہیں اللہ کی راہ سے‘ تو اُن کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔ کام نہ آئیں گے اُن کو اُن کے مال اور نہ اُن کی اولاد اللہ کے ہاں کچھ بھی۔ وہ لوگ ہیں دوزخی‘ وہ اُسی میں پڑے رہیں گے ہمیشہ کے لیے۔ جس دن جمع کرے گا اللہ اُن سب کو پھر قسمیں کھائیں گے اُس کے آگے جیسے قسمیں کھاتے ہیں تمہارے سامنے اور گمان رکھتے ہیں یہ کہ وہ کچھ بھلی راہ پر ہیں۔ سن رکھو! یہی ہیں دراصل جھوٹے۔ قابو پالیا ہے اُن پر شیطان نے‘ پھر بھلا دی ان کو اللہ کی

یاد۔ یہ لوگ ہیں شیطان کا گروہ۔ خبردار ہو جاؤ کہ شیطان کا گروہ ہی خسارے میں ہے‘‘۔

اللہ کا غضب وغصّہ اور بیزاری جیسی اہل کفر پر ہوتی ہے ویسی ہی ایسے ماننے والوں پر بھی ہوتی ہے جو اس بادشاہِ حقیقی کے دین کے لیے تن من دھن لگانے سے پہلو تہی کرتے ہوں۔ یہود نے جب اس تقاضے سے دامن چرایا تو ان پر ﴿وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ﴾ (البقرۃ:۶۱) ’’اور وہ اللہ کے غضب میں گھر گئے‘‘ کی دھتکار پڑی۔ اور موجودہ اُمتِ مسلمہ کو سورۃ الحدید میں یوں جھنجوڑا گیا:

﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ ۚ وَالرَّسُوْلُ یَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِیْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۸﴾﴾

’’اور تم کو کیا ہوا کہ یقین نہیں لاتے اللہ پر؟ اور رسول بلاتا ہے تم کو کہ یقین لاؤ اپنے ربّ پر‘ اور وہ لے چکا ہے تم سے عہد پکا اگر تم ماننے والے ہو‘‘۔

اور:

﴿وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلِلّٰہِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (آیت ۱۰)

’’اور تم کو کیا ہوا ہے کہ خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں؟ اور اللہ ہی کو بچ رہتی ہے ہر شے آسمانوں میں اور زمین میں‘‘۔

اور پھر سورۃ الصّف میں صاف صاف بتا دیا گیا کہ اگر تم یہ تقاضا پورا نہ کرو گے تو تم بھی اللہ تعالیٰ کے غضب وغصے اور بیزاری کے حق دار ٹھہرو گے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲﴾ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۳﴾﴾

’’اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو (منہ سے) جو کرتے نہیں؟ بڑی بیزاری کی بات ہے اللہ کے یہاں کہ کہو وہ چیز جو نہ کرو‘‘۔

ایسے ہی لوگ پھر منافقین کہلائے جو اللہ کے راستے پر تو چلنا چاہتے ہیں لیکن ذرا بچتے بچاتے ہوئے۔

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّعْبُدُ اللّٰہَ عَلٰی حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَیْرُ ࣙ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ࣙ انْقَلَبَ عَلٰی وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۱﴾﴾ (الحج)

''اور لوگوں میں کوئی شخص وہ ہے جو بندگی کرتا ہے اللہ کی کنارے پر' پھر اگر پہنچی اس کو بھلائی تو قائم ہو گیا اُس عبادت پر' اور اگر پہنچ گئی اُس کو کوئی مصیبت تو پھر گیا اُلٹا اپنے منہ پر' گنوائی اُس نے دُنیا اور آخرت' یہی ہے صریح خسارہ''۔

اُمت مسلمہ پر خصوصی عنایت

تاہم اُمتِ مسلمہ کی خوش قسمتی ہے کہ یہ آخری رسول حضرت محمد ﷺ کی آخری اُمت ہے' لہٰذا یہ یہود اور دیگر اُمم کی طرح مجموعی طور پر کبھی حزب الشیطان نہ بنے گی۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس اُمت میں ایسے اعظم الرجال [1] پیدا کرتا رہا جو بھولی ہوئی منزل یاد دلاتے رہے۔ پھر ان لوگوں کی تجدیدی مساعی پر ایک مدت بیت جاتی رہی تو جیسے سابقہ اُمتیں اپنے انبیاء ورُسل کی تعلیمات سے رُوگردانی کرتی رہیں اور محض سُہانی اُمیدوں کے سہارے جینے لگیں ایسے ہی ان بزرگانِ دین کے متوسلین بھی ان کی تعلیمات سے منحرف ہو کر فرقوں کی صورت اختیار کرتے رہے۔ اِن میں سے بعض مٹ چکے ہیں اور بعض آج بھی موجود ہیں۔ اِن کثیر فرقوں میں سے جو رسولِ کامل ﷺ اور صحابہ ؓ کے طریقے (حزبُ اللہ کے اوصاف) پر ہو گا وہی مراد پائے گا۔

حزبُ اللہ میں شیطان کا آسان شکار

تاریخ کا سبق یہ بھی ہے کہ معلوم انسانی تاریخ میں جب کبھی حزب اللہ وجود میں آئی وہ کبھی بھی ناخالص اور کچے لوگوں سے بالکل پاک اور خالص نہ رہی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کی اکثریت بچ بچا کر چلنے والوں پر مشتمل تھی' چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جدوجہد کے اہم اور نازک ترین مرحلے پر انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صاف جواب دے دیا کہ ﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾ (المائدۃ) ''پس تم جاؤ اور تمہارا ربّ اور تم دونوں لڑو' ہم تو یہیں بیٹھے ہیں''۔ اس طرح قتال سے مُنہ موڑ کر انہوں نے اپنی اس بیماری کا ثبوت فراہم کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے دلوں پر مہر کر دی۔ ﴿فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ (الصف) ''پھر جب وہ ٹیڑھے ہو گئے تو کج کر دیے اللہ نے اُن کے دل' اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا''۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ ساتھیوں میں سے ایک نے انعام کے لالچ میں دھوکہ کرنے کی کوشش کی۔ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی پکار پر لبیک کہنے والوں میں

(۱) عظیم لوگ

ایسے ہی مریض لوگوں کی جمعیت کی موجودگی پر قرآن کی آیات گواہ ہیں۔ حضرت حسین ؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے کوفی تھے جو لَا يُوْفِيْ [1] ثابت ہوئے۔ تحریکِ شہیدین کو بھی سب سے زیادہ نقصان اُن بیعت کرنے والوں نے ہی پہنچایا جو اپنے مفادات اور خواہشات کی قربانی دینے کے لیے ذہناً تیار نہ ہوئے تھے۔ عصرِ حاضر میں دینی و مذہبی جماعتیں بھی ایسے ہی لوگوں کے قبضے میں آ کر منزل کھوٹی کر چکی ہیں۔ غرض کوئی جماعت یا تحریک نہ تو ایسے روگیوں سے مبرّا [2] قرار دی جا سکتی ہے اور نہ ہی ان کے مستقل حزب اللہ میں رہنے کی ضمانت فراہم کی جا سکتی ہے۔

رفقائے تنظیم اسلامی کے لیے پُرخطر مقام

چنانچہ آج اگر تنظیمِ اسلامی حزب اللہ کے مقام کے لیے کوشاں ہے تو اس کے رفقاء کو یہ شعور بھی حاصل ہونا چاہیے کہ ابھی امتحان ختم نہیں ہوا۔ حق کو قبول کر لینا کفایت نہیں کرتا۔ اُس کے تقاضے نبھاتے چلے جانا اور ہر آزمائش پر پورا اترنا ضروری اور اہم ہوتا ہے۔ اور آخری وقت تک اس روش پر قائم رہنا اور ثُمَّ اسْتَقَامُوْا پر عمل کرنا اصل آزمائش ہے۔ جب تک اس دار الامتحان میں ہیں تب تک یہ بات کہ ع ''ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں'' مستحضر [3] رہنی چاہیے۔ یہی وہ احساس ہے جو رفقاء تنظیم اسلامی کو ہوشیار اور چوکنا رکھ سکتا ہے کہ انہیں اب بھی حزب الشیطان میں شمار ہو جانے کا خطرہ درپیش ہے' بلکہ اس کی ہلاکت خیزی اور تباہ کاری پہلے سے بڑھ چکی ہے۔ حق کو قبول کر کے پسپائی اور باطنی ارتداد اختیار کرنے کی سزا زیادہ کڑی اور سخت ہے۔ یہ تو بدبختی اور بدنصیبی کی وہ انتہا ہے جہاں پہنچ کر نہ صرف نبی رحمت ﷺ کی شفاعت اور استغفار سے محرومی کا منہ دیکھنا پڑ سکتا ہے بلکہ جہنم کے سب سے نچلے گڑھے کی سزا بھی مقدر ہو سکتی ہے۔

ہلاکت کا سبب

ان حقائق کی روشنی میں یہ سوال بڑے گہرے غور وفکر اور سنجیدہ سوچ وبچار کا طالب ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس روگ کا سبب کیا ہے؟ کس وجہ سے انسان اس ہلاکت خیز انجام سے دوچار ہوتا ہے؟ قرآنِ مجید کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اصلی وحقیقی سبب تکبر ہے۔ درحقیقت تکبر ہی وہ بیماری ہے جو اُمّ الامراض ہے۔ یہ وہ تباہ کن بیماری ہے جس کی کوکھ سے جھوٹ' کینہ' حسد' بغض'

(۱) بے وفا (۲) پاک (۳) یاد رہنا

مال و دولتِ دنیا کی محبت، انانیت،(۱) ضد، ہٹ دھرمی اور حسب نسب کے جھگڑوں جیسی خبائث جنم لیتی ہیں۔ اللہ کے مقابلے میں ساری سرکشی اور بغاوت نے اسی اُمّ الخبائث سے جنم لیا ہے۔

ایک حدیث قدسی کے الفاظ کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ تکبر اللہ تعالیٰ کے کاندھے کی چادر ہے، جو تکبر اختیار کرتا ہے وہ گویا اُس (اللہ تعالیٰ) کے کاندھے کی چادر کھینچنے کی کوشش کرتا ہے۔ بھلا جو اللہ تعالیٰ کے کاندھے کی چادر کھینچنے کی کوشش کرے اس سے بڑا باغی، سرکش، بے حیا اور ڈھیٹ کون ہوگا؟ یہی وجہ ہے کہ حدیث نبویؐ ہے:

((لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ اَحَدٌ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِنْ كِبْرِیَاءَ)) (۲)

''جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہو سکے گا''۔

لہٰذا باطنی تزکیہ کرنے کے لیے اور شیطانی واردات سے بچنے کے لیے تکبر اور اُس کے ظواہر کی گہری اور شعوری پہچان از بس ضروری ہے۔

تکبر کی حقیقت

تکبّر کا مادۂ اصلی ''کبر'' ہے، جس کا لفظی معنیٰ ''بڑائی'' ہے۔ بابِ تفعل میں اس کا معنیٰ بڑا بننے کی کوشش کرنا اور بڑا بننے کے لیے مقابلہ کرنا ہوگا۔ بڑا بننے کی خواہش انتہائی مضبوط اور بنیادی محرکِ عمل شمار ہوتا ہے۔ جدید نفسیات میں اسے The urge to dominate (غلبہ پانے کی خواہش) کہا جاتا ہے۔ ایڈلر نے محرکاتِ عمل میں اسے بنیادی اور اساسی قرار دیا ہے اور دیگر محرکاتِ عمل کو اس کی فروعات (۳) شمار کیا ہے۔ بڑا بننے کی یہ خواہش ابتداءً مخلوقات کے مقابلے میں ظاہر ہوتی ہے اور بالآخر اللہ کے مقابلے میں بھی بڑا بن جانے پر منتہیٰ ہوتی ہے۔ یہود نے پہلے مخلوقات کے مقابلے میں اپنے آپ کو بڑا قرار دیا کہ "We are the chosen people of the Lord." اور بالآخر اللہ کے مقابلے میں بھی اکڑ گئے۔ اس لیے کہ اُس نے اُمیوں میں سے آخری رسول ﷺ بھیج کر اُن کی بڑائی کے تصور کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ یہی معاملہ ابلیس لعین کا نظر آتا ہے۔

(۱) غرور (۲) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب تحریم الکبر و بیانہ۔ (۳) شاخیں

قبولیتِ حق کی رکاوٹ

جو جماعتیں یا افراد دوسروں پر اپنی برتری اور فضیلت کے قائل ہو چکے ہوں وہ قبولیّتِ حق سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۷ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۝۸ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝۹ وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰﴾ (یٰس)

''اُن میں سے بہتوں پر بات ثابت ہو چکی ہے سو وہ نہیں مانیں گے۔ یقیناً ہم نے ڈالے اُن کی گردنوں میں طوق، سو وہ ہیں ٹھوڑیوں تک پھر اُن کے سر اُلل رہے ہیں (یعنی وہ سر اٹھائے کھڑے ہیں)۔ اور بنائی ہم نے ان کے آگے دیوار اور ان کے پیچھے دیوار، پھر (اوپر سے) ڈھانک دیا ان کو، پس وہ کچھ نہیں دیکھتے (انہیں کچھ نہیں سوجھتا)۔ اور برابر ہے اُن کو تو انہیں ڈرائے یا نہ ڈرائے وہ یقین نہیں کریں گے''۔

قبولیّتِ حق سے محرومی کے سبب کو قرآن نے کتنی بلاغت سے بیان کیا ہے کہ اُن کے کبر کی وجہ ہوتی ہے اُن کے ماضی کی اعلیٰ اقدار، اُن کے بزرگوں کی قائم کردہ شاندار روایات اور ان بزرگوں کے متوسلین (۱) سے ان کا تعلق، جو بزعم خویش (۲) مستقبل میں ان کے جنت میں داخلے کیلئے کفایت کرے گا۔ لہٰذا سرشاری اور سرمستی کی اس کیفیت میں وہ حق کو بہرے کانوں سنتے ہیں۔ ﴿قُلُوْبُنَا غُلْفٌ﴾ (البقرۃ:۸۸) ''ہمارے دل غلافوں میں ہیں'' کے انداز میں حق کا استہزاء کرتے ہیں اور ﴿يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ﴾ (ھود:۹۱) ''اے شعیب! تمہاری بہت سی باتیں تو ہماری سمجھ میں ہی نہیں آتیں'' کہہ کر نہ صرف اپنے بڑے پن اور مستند ہونے کو تسلیم شدہ حقیقت خیال کرتے ہیں بلکہ حق کے بارے میں عام لوگوں کو یہ پیغام پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اِن کی باتوں کی حقیقت چیستاں (۳) سے زیادہ نہیں، وگرنہ ہم جیسے دانشور اُس کے فہم سے قاصر نہ رہتے۔

تکبر کے مختلف مظاہر

اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ یہ تکبّر رائی کے دانے کے برابر والا نہیں ہے، بلکہ یہ تو کوہِ اُحد

(۱) وسیلہ ڈھونڈنے والے (۲) اپنے خیال کے مطابق (۳) معمہ

سے بڑھ کر ہے۔ تاہم رائی کے دانے سے لے کر کوہِ اُحد کے بیچوں بیچ یہ بیماری ایمانِ حقیقی ہی کی طرح گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ چنانچہ قبولیّتِ حق کا مطلب تکبر سے چھٹکارے کی سند نہیں ہے‘ کیونکہ اس کے درجے کی کمی بیشی کے ساتھ ساتھ اُس کے ظواہر بدلتے رہیں گے۔ معاشرے میں اچھا مقام حاصل کرنے کی جدوجہد کے لیے مال و دولت کی ہوس یا قرآنی الفاظ میں زینت حیاتِ دُنیوی کے حصول کی بھاگ دوڑ کے باعث انسان حق کے غلبے کی جدوجہد کے لیے وقت کا ایثار نہ کر سکے یا وقت آنے پر دُنیوی مفادات کی قربانی نہ دے سکے تو پہلی رکاوٹ عبور کرنے کے باوجود وہ دوسری رکاوٹ عبور کرنے میں ناکام رہ جائے گا اور قبولیّتِ حق کے باوجود اُس کی زندگی کا اصل ہدف کاروبارِ حیاتِ دُنیوی کو پھیلانا اور بڑھانا ہی رہے گا۔ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا﴾ (الکہف)

’’وہ لوگ جن کی کوشش بھٹکتی رہی دنیا کی زندگی میں اور وہ سمجھتے رہے کہ خوب بناتے ہیں کام۔‘‘

یعنی اگر وہ تھوڑی بہت بھاگ دوڑ حق کے لیے بھی کریں تب بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں اُن کی اس کوشش کی حیثیت سراب [1] سے زیادہ نہ ہوگی۔

اور ﴿وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا﴾ (الفُرقان)

’’اور جو کچھ بھی ان کا کیا دھرا ہے اُسے لے کر ہم غبار کی طرح اڑا دیں گے‘‘۔

اگر کوئی یہ دوسری رکاوٹ بھی عبور کر لیتا ہے اور

میں حرص و ہوس کو چھوڑ چکا
اِس نگری سے مُنہ موڑ چکا

کے مصداق اپنا کیریئر‘ اپنا کاروبار‘ اپنی برادری و رشتہ دار‘ اپنی حیثیت و مرتبہ اور اپنا گروہ و تعلق دار ایک طرف رکھ کر حق کے لیے دن رات ایک کرنے لگے تو کیا وہ کبر سے نجات پا گیا؟ جی نہیں! بلکہ وہ اب پہلے سے زیادہ خطرے میں ہے۔ اُس کے لیے ابھی ایک اور رکاوٹ ہے جس کے خلاف اُسے مسلسل جہاد کرنے کی ضرورت ہے۔ اس رکاوٹ کی حقیقت سمجھنے سے قبل قرآن مجید سے ایک کردار کی مثال پیشِ نظر رہنی چاہیے‘ تاکہ یہ یقین حاصل ہو جائے کہ ؏ ’’ابھی عشق کے امتحاں اور

(۱) نظر کا دھوکا

بھی ہیں‘‘! یہ مثال کسی اور کی نہیں‘ ابلیسِ لعین کی ہے۔ زمین پر انسان سے قبل جنات آباد تھے۔ انہوں نے بڑا فساد کیا اور زمین میں سرکشی اور بغاوت کی انتہا کر دی۔ اُن کے فساد کو مٹانے کے لیے عزازیل نے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ اُس کی دن رات کی (بظاہر) مخلصانہ محنت اور تگ و تاز [1] کے نتیجے میں یہ فساد ختم ہوا۔ جب زمین کی خلافت کا مسئلہ سامنے آیا تو اپنی اسی محنت اور سرفروشانہ مجاہدے کی بنیاد پر وہ خلافت پر اپنا استحقاق [2] جتلانے لگا اور حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے مقابلے میں حقیر سمجھا۔ لیکن جب خلافتِ ارضی آدمؑ کو دینے کا فیصلہ ہوا تو وہ اللہ کے مقابلے میں بھی اَڑ گیا اور اُس کے حکم سے نکل گیا۔ قرآن نے ﴿كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (ص) ’’وہ نافرمانوں میں سے ہو گیا‘‘ کہہ کر اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس کی محنت و کوشش اور حق کے لیے ایثار و قربانی ایمان کے جذبے کے تحت نہ تھی بلکہ غلبہ پانے کی خواہش کے زیر اثر تھی۔ پس معلوم ہوا کہ تکبر اپنا اظہار مجاہدانہ اور بے باکانہ محنت و کوشش میں بھی کر سکتا ہے اور درویشانہ و خاکسارانہ عجز و انکسار کی صورت میں بھی۔ مزید برآں پہلی دو رکاوٹیں عبور کرنے کے بعد اس مقام پر آ کر ناکام ہونے کا مطلب لعنتی ہونا یعنی راندۂ درگاہ [3] ہونا ہے۔

استدراج [4] اور ابتلاء

شیطان کی مثال کے ذریعے ہم نے دیکھا کہ جس سفر کا آغاز غلبۂ حق کی محنت و جدوجہد سے ہوا اُس کا انجام کیا ظاہر ہوا۔ بہرحال اِس پورے عمل کو سمجھنے کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ کی دو سنتوں کا فہم حاصل کرنا ضروری ہے۔ ایک سنت ’’استدراج‘‘ اور دوسری سنت ’’تطہیر بذریعہ آزمائش‘‘ ہے۔

استدراج: لوگوں پر متکبر کی حقیقت کھولنے سے قبل اللہ تعالیٰ خود اُس کے رائی جتنے تکبر کو پہاڑ بنانے کے حالات پیدا کرتا ہے۔ ﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى﴾ (النساء:۱۱۵) ’’ہم حوالے کریں گے اس کو وہی طرف جو اُس نے اختیار کی‘‘ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ اور اسی حقیقت کو سمجھانے کے لیے فرمایا: ﴿فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا﴾ (البقرة:۱۰) ’’ان کے دلوں میں بیماری ہے‘ پھر بڑھا دی اللہ نے ان کی بیماری۔‘‘ کسی مریض کو اُس کے مرض میں مزید بڑھانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی سنتِ استدراج روبعمل آتی ہے۔ انسان کی محنت کے ثمرات ظاہر ہونے لگتے ہیں‘ یہاں تک کہ ایمانی کیفیات میں ترقی محسوس ہونے لگتی ہے۔ بعض صورتوں میں سرفروشانہ

(۱) کوشش (۲) حق (۳) دربارِ شاہی سے نکالا ہوا (۴) مرحلہ وار کام کرنا

جذبات موجزن ہوجاتے ہیں۔اللہ سے لگاؤ اور ذکر و اشغال کی طرف خصوصی رجحان اور انشراح ہوتا ہے۔بعض مشقت طلب تعبدی اعمال (۱) مثلاً ﴿نَاشِئَةَ الَّيْلِ﴾ (المزمل:۶) ’’رات کو اُٹھنا‘‘ جیسا سخت کام کرنے میں بھی دقت باقی نہیں رہتی۔لیکن اس سب کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ انسان یہ سمجھنا شروع کر دے کہ:

"I am the chosen person of the Lord."

اور باقی تو بس گزارا ہیں۔چنانچہ اختلاف جو اجتماعیت کے لیے رحمت ہوتا ہے‘ اس سوچ کے نتیجے میں وہ ﴿بَغْيًا بَيْنَهُمْ﴾ (البقرۃ:۲۱۳) کی صورت اختیار کر لے گا۔رفق و رفاقت (۲) کی جگہ ضد اور عداوت لے لیں گی۔پوشیدہ روگ ترقی پا کر اُس مقام تک پہنچ جائے گا کہ شعور حاصل ہو چکنے کے باوجود اعمال کی مستی اور سرشاری کی دبیز (۳) چادر تان لے گا۔اس طرح سنت استدراج کے ذریعے اللہ تعالیٰ تکبر کے مریض کو اس کی بیماری میں ترقی دیتا ہے۔بالفاظِ دیگر چیونٹی کو یہ سارے پَر اس لیے لگائے جاتے ہیں تاکہ وہ آخری انجام تک کشاں کشاں بڑھتی چلی جائے۔اسی حقیقت کو پیارے نبی ﷺ نے ((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيمِ)) (۴) ’’اعمال کا دارومدار اُن کے خاتمے پر ہے‘‘ کے قولِ بلیغ کے ذریعے سمجھایا ہے۔

اہلِ حق پر آزمائش کی ایک حکمت

حزب اللہ چونکہ اللہ کی پارٹی ہوتی ہے لہٰذا ایسے متکبرین سے حزب اللہ کو پاک صاف رکھنے کا کام اللہ تعالیٰ خود کرتے ہیں۔اس تطہیر کے لیے اہلِ حق پر آزمائشیں آتی ہیں۔کبھی خارجی حالات میں تلاطم (۵) پیدا ہوتا ہے اور کبھی داخلی صورتِ حال خوفناک ہو جاتی ہے۔یہ صورت حال اہلِ ایمان کے لیے درجات بڑھانے کا ذریعہ بنتی ہے اور متکبرین کے لیے عذاب کی صورت ہوتی ہے۔اس سے سچوں اور جھوٹوں کی پہچان ہوتی ہے۔از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۝﴾ (العنکبوت)

’’اور تحقیق ہم نے آزمایا ہے اُن کو جو اِن سے پہلے تھے‘ تو اللہ لازماً جان لے گا (ظاہر

(۱) عبادات (۲) نرمی اور دوستی (۳) موٹی (۴) صحیح البخاری‘ کتاب القدر‘ باب العمل بالخواتیم۔ (۵) جوش

کر دے گا) سچوں کو اور ضرور جان لے گا (ظاہر کر دے گا) جھوٹوں کو‘‘۔

علماء نے ’’اللہ جان لے گا‘‘ کی تفسیر کی ہے کہ اللہ تو خوب جانتا ہے‘ یہاں مراد ہے کہ دوسرے بھی جان لیں۔یعنی اللہ تو اس کی بیماری کو جانتا ہے‘ لیکن وہ چاہتا ہے کہ نہ جاننے والے بھی جان لیں کہ کس کی اصل حقیقت کیا ہے۔بقول ایک عارف کے اللہ تعالیٰ اپنے دین کی عمارت میں کچی اینٹ نہیں لگاتا۔اپنے آپ کو پکا لو (تزکیہ کر لو) وگرنہ اللہ تعالیٰ کچوں کو کچی اینٹ کی طرح الگ کر دے گا۔

غلبۂ حق کی جدوجہد اور تکبر

اب سوال یہ ہے کہ نفس کے اس مُنہ زور داعیے (۱) کو کیسے کچلا جائے؟ لیکن کچھ کرنے سے قبل یہ طے کر لیجیے کہ کیا کرنا ہے اور کیسے کرنا ہے؟ اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ جس خالق نے انسان کو بنایا ہے اُسی نے انسان کے اندر مختلف داعیات رکھے ہیں۔اسے بھوک لگتی ہے تو وہ کھانا کھاتا ہے‘ اُس کی جنسی خواہش ہے تو وہ شادی کرتا ہے اور حدود اللہ میں رہتے ہوئے اپنی اِن خواہشات کی تسکین کرتا ہے۔وہ اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے کسب حلال کرتا ہے تو یہ بھی عبادت میں داخل ہے۔اِسی طرح اپنے بیوی بچوں کی بہتر پرورش و تربیت کرتا ہے تو یہ صدقۂ جاریہ ہے۔اِسی طرح غلبہ پانے کی جبلی خواہش اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر رکھی ہے جو فی نفسہٖ شر نہیں ہے۔اِس کا استعمال اسے شر یا خیر بنائے گا۔اگر اس کے ذریعے انسان زینتِ دنیا کی دوڑ میں لگ جائے‘ سٹیٹس (۲) اور معیار کے چکر میں پڑ جائے‘ کچھ نیک اعمال کے ذریعے علوّ ذات (۳) کے لیے کوشاں ہو جائے یا دین کی خدمت کے ذریعے دوسروں پر اپنی فضیلت اور برتری کی دھاک بٹھانے کی سعی کرنے لگے تو یہ شر ہے۔لیکن اس کو غیرتِ دینی اور غلبۂ اسلام کے لیے استعمال میں لائے نہ کہ اپنی ذات کے لیے تو یہ خیر ہے۔جس طرح پیٹ کے بھر جانے کے باوجود دل نہ بھرنا اور جنسی لذت کی خاطر ذائقہ بدلنے کی صورتیں بگاڑ اور بیماری کی علامات ہیں اسی طرح دینی محنت و خدمت کے بدلے ذاتی برتری کی خواہش ’’کبر‘‘ کی بیماری کہلائے گی۔

لہٰذا اس جذبے کو کچل دینا تزکیۂ نفس نہیں ہے‘ بلکہ اس پر پوری طرح قابو پانا اور درست استعمال کرنا اور درست استعمال میں راسخ (۴) ہوتے چلے جانا تزکیہ کہلائے گا۔یہ تو وہ گھوڑا ہے

(۱) خواہش (۲) مقام (۳) ذاتی بلندی (۴) پختہ

جس پر آپ نے سواری کرنی ہے۔ یہ منزل تک پہنچنے میں مددگار و معاون ہے۔ یہ جتنا توانا و طاقتور ہوگا اتنا ہی فاصلہ زیادہ طے کر سکے گا۔ اس کی کمزوری سے سوار طویل وقت میں تھوڑا ہی سفر کر سکے گا۔ لیکن اگر یہ سوار سے ہی زیادہ توانا ہوگا تو اس بات کا بھی امکان رہے گا کہ کہیں سوار ہی کو نہ پٹخ دے' لہٰذا ہوشیار' چوکنا اور مستعد رہنے کی ضرورت ہوگی۔

یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ جو غلبۂ دینِ حق کے لیے جتنی زیادہ بھاگ دوڑ اور سعی و جہد کر رہا ہوگا اُس کا یہ جذبہ بھی اُتنا ہی توانا و طاقتور ہوگا۔ اِس مقام سے اگر اُس کا یہ جذبہ غلبۂ ذات کی طرف منتقل ہوگا تو یہ اُحد پہاڑ جتنا کبر بنے گا نہ کہ رائی کے دانے کے برابر۔ لہٰذا غلبۂ دینِ حق کی خاطر ایثار و قربانی کے حوالے سے اور سعی و عمل کے اعتبار سے جو جتنے بلند مقام پر فائز ہوگا وہ اُتنے ہی خطرے سے بھی دوچار ہوگا۔ اگر اِس حقیقت کا احساس قلب میں جاگزیں ہو گیا ہو تو درج ذیل شعر کا مفہوم سمجھ میں آئے گا۔

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ ای   بازمی گوئی کہ دامن تر مکن ہوشیار باش![1]

مناسب طرزِ عمل

اب آیئے اس سوال کی طرف کہ کیسے معلوم کیا جائے کہ کون غلبۂ دینِ حق کے لیے کوشاں ہے اور کون غلبۂ ذات کا متمنی ہے؟ اس سوال کا جواب پانا بہت ہی مشکل ہے۔ اس لیے کہ غلبۂ دینِ حق کے نتیجے میں جدوجہد کرنے والے افراد کا ہی غلبہ ہوتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ دین تو غالب ہو اور اُس دین کی جدوجہد کرنے والا غلبہ سے محروم رہے! ارشادِ الٰہی ہے ﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (المنٰفقون:۸) ''اور عزت (اور زور اور غلبہ) تو اللہ کا ہے اور اس کے رسولؐ کا اور ایمان والوں کا۔'' لہٰذا دیکھنے والے کے لیے طے کرنا ناممکن ہے کہ وہ فیصلہ دے سکے کہ کسی کی جدوجہد علّو ذات کے لیے ہے یا غلبۂ دین کے لیے۔ تو جب منفی یا مثبت رائے قائم کرنے کی ظاہری اور واقعی صورت ممکن نہ ہو تو ظن اور تخمین[2] ہی باقی رہ جاتے ہیں۔ اور ایسے ہی ظن گناہ ہوتے ہیں۔ لہٰذا بجائے اس کے کہ آدمی ظن کی بنیاد پر منفی رائے قائم کرے' بہتر یہی ہے کہ حسنِ ظن کی بنیاد پر مثبت رائے رکھے۔ باقی ہر فرد کا معاملہ اُس کے ربّ کو خوب معلوم ہے جو

(۱) تو نے مجھے گہرے دریا کے درمیان کشتی میں سوار کر دیا ہے۔ پھر تو کہتا ہے ہوشیار رہ تیرا دامن تر نہ ہو

(۲) اندازہ

﴿عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ (التغابن) ''دلوں کا حال جاننے والا'' ہے۔ چنانچہ دوسروں میں تجسس کرنے کی بجائے اپنی فکر کرے اور اپنے خیالات' احساسات اور جذبات کا شعوری تجزیہ کرتا رہے کہ کہیں غلبۂ دین کی جدوجہد کے دوران غیر محسوس طور پر غلبۂ ذات کی خواہش نے تو انگڑائی نہیں لے لی ہے! اس تجزیے کے لیے درج ذیل امور پر ہمیشہ توجہ رہنی چاہیے:

i) اخلاصِ نیت

آدمی اپنے ہر عمل کے بارے میں کوشش کرے کہ وہ عمل صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کیا جائے' جس کا لازمی مطلب یہ ہونا چاہیے کہ لوگوں کی طرف سے تعریف و توصیف' حوصلہ افزائی یا داد پانے کی کوئی آرزو نہ ہو۔ جیسے قرآن کریم میں اہلِ جنت کا قول نقل ہوا ہے: ﴿اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا﴾ (الدّھر) ''ہم جو تم کو کھلاتے ہیں سو خالص اللہ کی خوشی کو' نہ ہم تم سے بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکر گزاری چاہتے ہیں''۔ دوسرا یہ کہ وہ عمل صرف آخرت میں اجر پانے کے لیے کیا جا رہا ہو اور آخرت کی کامیابی کے مقابلے میں دنیا میں دین کے غلبے کی خواہش بھی ثانوی درجے میں چلی جائے۔

اِن دو باتوں کو سمجھنے کے لیے تین اشخاص کا واقعہ بڑا عبرت آموز ہے کہ آخرت میں تین افراد اللہ کی عدالت میں کھڑے ہوں گے' جن میں سے ایک سخی ہوگا' دوسرا عالم اور تیسرا شہید۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے احسانات یاد کروا کر پوچھے گا بتاؤ تم نے میرے لیے (آج کی کامیابی کے لیے میری خوشنودی کی خاطر) کیا کیا؟ وہ اپنی اپنی خدمات کا ذکر کریں گے۔ عالم نے ساری زندگی تعلیماتِ دینی عام کرنے میں لگائی ہوگی' سخی نے بڑی سخاوت کی ہوگی اور شہید نے غلبۂ دین کے لیے ہونے والی جنگ میں سر کٹایا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ تینوں سے باری باری فرمائیں گے کہ تم نے جھوٹ کہا۔ تم نے یہ کام دنیا میں شہرت حاصل کرنے کے لیے کیے تھے' وہ ہو چکا (تم اپنے ارادے اور نیت کے مطابق اجرت وصول کر چکے۔ چونکہ میری خوشنودی اور آج کی کامیابی تمہارے پیشِ نظر نہ تھی) لہٰذا فرشتوں کو حکم دیا جائے گا کہ اِن کو مُنہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دو۔ اگر اللہ کی خوشنودی تو پیشِ نظر ہو لیکن فلاحِ اُخروی اوّلین ترجیح کے طور پر پیشِ نظر نہ رہے تو عجلت پسندی جنم لیتی ہے' جس سے فرد یا جماعت دنیا میں غلبے کے لیے کسی راہِ یسیر[1] (short cut) کی جستجو میں صراطِ مستقیم سے

(۱) آسان راستہ

بھٹک جاتے ہیں۔اس طرح رسالت کی اہمیت اور نبوی طریقِ کار کی فضیلت سے بھی محرومی ہو جاتی ہے۔ پھر رفتہ رفتہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی والا معاملہ بھی پسِ پشت چلا جاتا ہے اور دین کی خاطر قائم ہونے والی اجتماعیت پر دین تک کی قربانی پیش ہونے لگتی ہے۔اب بظاہر دین کی محنت درحقیقت ﴿ضَلَّ سَعْیُھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا﴾ (الکہف:۱۰۴) کی تصویر بن کر رہ جاتی ہے۔

ii) اعمال کا زینت بننا

دنیا میں انسان کو امتحان کے لیے بھیجا گیا ہے۔﴿اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (المُلک:۲) ''جس نے بنایا مرنا اور جینا' تا کہ تم کو جانچے کہ کون تم میں سے اچھا کام کرتا ہے''۔ یہ امتحان زینتِ حیاتِ دُنیوی کے ذریعے ہوتا ہے۔ ﴿اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَی الْاَرْضِ زِیْنَۃً لَّھَا لِنَبْلُوَھُمْ اَیُّھُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝۷﴾ (الکہف) ''یقیناً ہم نے بنایا ہے جو کچھ زمین پر ہے' اس کی رونق' تا کہ جانچیں لوگوں کو کون ان میں اچھا کام کرتا ہے''۔ دنیاوی زندگی کی آرائش کی چیزیں کئی ہیں۔ جیسے ﴿اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَۃُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا﴾ (الکہف:۴۶) ''مال اور بیٹے رونق ہیں دنیا کی زندگی کی۔'' یہاں تک کہ مقام و مرتبہ' حیثیت و اقتدار اور طاقت وحشمت بھی دنیا کی زندگی کی زینت ہی ہیں۔

﴿وَقَالَ مُوْسٰی رَبَّنَا اِنَّکَ اٰتَیْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَہٗ زِیْنَۃً وَّاَمْوَالًا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا رَبَّنَا لِیُضِلُّوْا عَنْ سَبِیْلِکَ﴾ (یونس:۸۸)

''اور کہا موسٰی نے اے ربّ ہمارے! تو نے دی ہے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو رونق اور مال دنیا کی زندگی میں' اے ربّ اس واسطے کہ بہکائیں تیری راہ سے!''

اب یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ کی خوشنودی کی خاطر کیے گئے نیک اعمال بھی زینت بن کر رہ جاتے ہیں اگر اُن پر ناز ہو' یعنی اگر وہ رسالت کے معیار پر پورے نہ اُترتے ہوں یا آخرت کو مستحضر رکھے بغیر انجام دیے گئے ہوں۔ایسے اعمال میں انسان مست ہو جاتا ہے اور خوفِ آخرت سے نچنت [1] ہو جاتا ہے اور رفتہ رفتہ ربّ کریم کی خوشنودی سے بھی بے پروا ہو جاتا ہے۔آخرت میں ایسے اعمال کی حقیقت کو سمجھانے کے لیے قرآن مجید نے درج ذیل تمثیلات بیان کی ہیں:

﴿مَثَلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّھِمْ اَعْمَالُھُمْ کَرَمَادِ ۣ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّیْحُ فِیْ

(۱) بے فکر

یَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا یَقْدِرُوْنَ مِمَّا کَسَبُوْا عَلٰی شَیْءٍ ؕ ذٰلِكَ ھُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ ۝۱۸﴾ (ابراہیم)

''حال اُن لوگوں کا جو منکر ہوئے اپنے ربّ سے ان کے عمل ہیں جیسے راکھ کہ اُس پر آندھی کے دن زور کی ہوا چلے۔ان کے کچھ ہاتھ میں نہ ہوگا اپنی کمائی میں سے۔یہی ہے بہک کر دُور جا پڑنا''۔

﴿ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَعْمَالُھُمْ کَسَرَابٍ بِقِیْعَۃٍ یَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰٓی اِذَا جَآءَہٗ لَمْ یَجِدْہُ شَیْئًا وَّوَجَدَ اللّٰہَ عِنْدَہٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ وَاللّٰہُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ۝۳۹﴾ (النور)

''اور جو لوگ منکر ہیں اُن کے کام ایسے ہیں جیسے ریت جنگل میں' پیاسا جانے اُس کو پانی' یہاں تک کہ جب پہنچا اُس پر اُس کو کچھ نہ پایا اور اللہ کو پایا اپنے پاس' تو اللہ نے اُس کو پورا پہنچا دیا اُس کا لکھا' اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے''۔

﴿وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ ھَبَآءً مَّنْثُوْرًا ۝۲۳﴾ (الفرقان)

''اور ہم پہنچے ان کے کاموں پر جو انہوں نے کیے تھے' پھر ہم نے اس کو اُڑتی ہوئی خاک کر ڈالا''۔

پس ثابت ہوا کہ انسان کو اپنے کسی عمل پر ناز نہیں کرنا چاہیے اور ہمیشہ اس حقیقت کو مستحضر رکھنا چاہیے کہ کوئی آدمی محض اپنے عمل سے جنت میں داخل نہ ہو سکے گا جب تک فضلِ ربی اُس کی دستگیری نہ فرمائے۔ یہاں تک کہ کسی پوچھنے والے کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے بھی جنت میں جانے کے لیے ربّ کے فضل کی حاجت ہوگی۔سلطان باہو نے کیا خوب کہا ہے:

عدل کریں تے تھر تھر کمبن [1] اُچیاں شاناں والے ہُو
فضل کریں تے بخشے جاون مَیں ورگے مُنہ کالے ہُو

(iii) خداداد صلاحیت اور علم کا زینت بننا

جس طرح انسان کا عمل اُس کے لیے زینت بن جاتا ہے اسی طرح اُس کا علم یا کسی خداداد صلاحیت کا زینت بن جانا بھی ممکن ہے۔اگر آپ میں اچھی تقریر کرنے کی صلاحیت ہے' یا تحریری صلاحیتوں سے مالا مال ہیں' تحریر و تقریر میں الفاظ کی مالا بنا دیتے ہیں' اظہار مافی الضمیر [2] کا ملکہ

(۱) کانپیں (۲) دل کی بات ظاہر کرنا

حاصل ہے، باتوں سے من موہ لینے کی قدرت رکھتے ہیں، یا انتظامی معاملات میں یدِطولیٰ [1] رکھتے ہیں، یا تحریکی مزاج کے حامل ہیں یا راہ ورسم بڑھانے اور مخالفین تک کو ساتھ ملانے اور بڑے بڑوں تک رسائی حاصل کرنے اور ان سے کام لینے جیسے کام آپ کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے تو کبھی اپنی کسی خصوصی صلاحیت پر نازاں نہ ہوں۔ روایتی بارہ سنگھے کو ہمیشہ یاد رکھیں جسے اپنی ٹانگیں بھدی معلوم ہوتی تھیں لیکن خوبصورت سینگوں پر نازاں رہتا تھا۔ لیکن جب شیر نے اسے شکار کرنا چاہا تو بھدی ٹانگوں نے تو اسے بھاگنے میں مدد دی لیکن خوبصورت سینگ گھنے جنگل میں اٹک گئے اور وہ شیر کا لقمہ بن گیا۔ جان لیجیے کہ آپ کی بہترین صلاحیت ہی آپ کی کمزوری بن سکتی ہے (پاکستان کے ایٹمی ہتھیاروں کی مثال سامنے ہے)۔ لٰہذا شیطان کو موقع نہ دیجیے کہ وہ آپ کی بہترین صلاحیت ہی کے ذریعے آپ کو شکار کر لے۔ آپ اپنی بہترین صلاحیت کو عطیۂ خداوندی سمجھئے، اس پر اللہ کا شکر ادا کیجیے، یعنی اس صلاحیت کو زیادہ سے زیادہ غلبۂ دینِ حق کے لیے بروئے کار لائیے، لیکن اس صلاحیت کی بنیاد پر کبھی کسی خصوصی مقام یا استحقاق کی طلب کو نزدیک تک نہ پھٹکنے دیجیے۔

iv) مثبت نتائج کا زینت بننا

اگر آپ کی محنت ثمر آور [2] ہو رہی ہو، آپ کی کوشش کے نتائج ظاہر ہونے شروع ہو جائیں تب بھی کسی مغالطے میں مبتلا نہ ہوں، کیونکہ نتیجے کا ظہور آپ کی کوشش و محنت پر منحصر نہیں بلکہ ارادۂ خداوندی کا مظہر ہے۔ یہ اصول پیشِ نظر رہنا چاہیے کہ ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَاۤءُ﴾ (القصص:۵۶) ''(اے نبی ﷺ!) جسے آپ چاہیں گے اُسے ہدایت نہ دے پائیں گے، بلکہ اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے''۔ گویا اس ضمن میں یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ مکہ میں محمدؐ رسول اللہ ﷺ جیسی عظیم ہستی کی تیرہ سال کی شبانہ روز محنتِ شاقہ کے نتیجے میں بمشکل سوا سو لوگ ایمان لائے اور مدینے میں آپ ﷺ کے ایک ادنیٰ غلام حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی محض ایک سالہ کوشش سے ستر سے زائد افراد حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ لٰہذا محنت کے بار آور ہونے سے فضیلت نہیں حاصل ہو جاتی۔ چنانچہ کبھی بھی اپنی محنت کے مثبت اثرات سے دھوکا نہ کھائیے گا۔

---

(۱) مہارت (۲) نتیجہ خیز

v) دروں بینی [1] کی اہمیت

جماعتی زندگی میں مشاورت کے دوران اور فیصلوں پر اختلافِ رائے کی صورت میں آپ کے احساسات وجذبات اور آپ کا رویہ اندر کی حقیقت کو آپ پر واضح کرنے میں سب سے زیادہ مدد ومعاون ہو سکتے ہیں بشرطیکہ آپ میں دروں بینی کی صفت ہو اور اپنے احساسات وجذبات پر گہری نگاہ رکھ سکیں۔

مشورہ کس سے؟

اس ضمن میں ایک اصول کو حرزِ جان [2] بنا لینا خطرات سے بچنے میں کارگر ہو سکتا ہے۔ اور وہ یہ کہ اگرچہ مشورہ لینا صاحبِ امر کے لیے لازم ہے، لیکن آپ کے لیے سلامتی کا راستہ یہ ہے کہ آپ اسے اپنا حق نہ سمجھیں کہ ضرور آپ سے مشورہ ہونا چاہیے۔ اگر اسے آپ اپنا حق سمجھیں گے تو اُس کی کوئی بنیاد بھی ہوگی، جو اِس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ آپ کے ایثار وقربانی، آپ کی محنت، آپ کی علمی برتری اور آپ کی محنت کے حوصلہ افزا نتائج کے عوض یہ آپ کا حق بنتا ہے کہ آپ سے ضرور مشورہ لیا جائے! اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ جس طرح کا مسئلہ درپیش ہوگا اُس مسئلے کے جو ماہرین ہوں گے اُنہی سے مشورہ طلب کیا جائے گا۔ یہی عقلِ عام سے مطابقت رکھنے والی بات ہے۔ جنگی امور کے بارے میں ماہرینِ تعلیم سے رائے لینا ناقابلِ فہم ہے اور شہریوں کی تعلیم وتربیت کے لیے سائنس دانوں سے پوچھنا لاحاصل ہے۔ اس ضمن میں ممتاز فقیہہ ابنِ خویز منداد ؒ کی درج ذیل رائے ملحوظِ خاطر رہنی چاہیے:

> ''دینی امور میں حکمران پر اہلِ علم سے مشورہ لینا واجب ہے۔ جنگی امور میں ماہرینِ جنگ سے مشورہ لینا چاہیے۔ عوام کی بہبود کے کاموں میں وجوہ الناس (عوامی نمائندوں) سے مشورہ لینا چاہیے اور ملکی مصالح یعنی ترقیاتی اور تعمیراتی امور میں وزیروں اور ماتحت حکام سے مشورہ لینا چاہیے''۔

چنانچہ اگر صاحبِ امر نے آپ سے مشورہ نہیں لیا اور آپ کو یہ ناپسندِ خاطر ہوا تو جلد از جلد اس کیفیت سے چھٹکارا پانے کی کوشش کیجیے۔

---

(۱) غور وفکر (۲) احتیاط سے رکھنا

نجویٰ کی حقیقت

اگر آپ سے مشورہ تو لیا گیا لیکن آپ کی رائے پر عمل نہیں کیا گیا' اس کے نتیجے میں انقباض[1] پیدا ہوا اور کسی درجے میں بے زاری کے آثار ظاہر ہوئے' تو اگرچہ یہ کبر نہیں کہلائے گا لیکن ہے خطرے والی بات۔ یہ کیفیت بڑھ بھی سکتی ہے اور اجتماعیت میں فساد کا باعث بھی بن سکتی ہے۔ یہ چیز آخر کار آپ کے لیے سخت نقصان دہ ثابت ہو گی۔ لہٰذا ایسی کیفیت سے بھی جلد از جلد نکلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس ضمن میں اضافی احتیاط بھی درکار ہو گی کہ آپ انجانے میں ''میں'' سے ''ہم'' کی طرف نہ بڑھنا شروع کر دیں۔ یعنی ''میری بات'' کو ''ہماری بات'' بنانے کے لیے دوسروں کو' بالخصوص نظمِ زیریں تک رسائی کر کے' اپنی بات کا قائل کرنے کی کوشش نہ کیجیے۔ اس طرح آپ اپنی بات منوانے کے لیے دلیل کے صحیح راستے کو چھوڑ کر اکثریت کے دباؤ کے غلط راستے پر پڑ جائیں گے۔ یہاں یہ باریک بات بھی سمجھ لینے کی ہے کہ امیر کو اکثریت کا تابع کرنے کی کوشش اپنی بات منوانے کا ذرا لطیف ہتھکنڈا ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ آمریت کے خلاف بہت زیادہ شور مچانے والے درحقیقت خود آمرانہ ذہن کے مالک ہوتے ہیں۔

اِس ضمن میں آخری بات سمجھنے سے قبل تمثیلی پیرائے میں ایک تمہیدی نکتہ گرہ میں باندھ لیجیے۔ نبی اکرم ﷺ کے ایک فرمان کی رو سے ایمان کا کم ترین درجہ یہ ہے کہ انسان منکر[2] کو دل سے برا جانے' یعنی نفرت و بے زاری اور بے چینی و بے کلی محسوس کرے۔ اس حوالے سے جان لیجیے کہ اگر آپ کی رائے کے برخلاف فیصلہ ہونے کی صورت میں آپ بے چین ہو گئے ہوں اور بے کلی ایسی ہو کہ نیند اُڑ جائے یا بے زاری اور نفرت کی ایسی کیفیت ہو کہ آئندہ مشورہ دینے ہی سے دل اُچاٹ ہو گیا ہو' بلکہ لاتعلقی اختیار کرنے کے بارے میں سوچنے لگے ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ حدیث کے الفاظ میں اپنی رائے کی پسندیدگی کے فتنے میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ دوسری طرف منکر کو دیکھ کر اور دِیْنُ الْمَلِكِ الْحَقِّ کی مغلوبیت دیکھ کر آپ میں اگر وہ کیفیات نہ پیدا ہوئی ہوں جو آپ کی رائے کے ردّ ہونے کی صورت میں پیدا ہوئی تھیں تو اُس کا یقینی مطلب یہ ہو گا کہ آپ کی سعی و جہد کو ایمان نہیں بلکہ کبر کنٹرول کر رہا ہے۔ اِس کے برعکس حق کی مغلوبیت دیکھ کر اور منکر کو عام دیکھ کر آپ بے چینی و بے کلی محسوس کریں' بے زاری و لاتعلقی کی کیفیت پیدا ہو

(1) بیزاری (2) برائی

اور اُس کے خلاف سعی و جہد ظاہر ہو اور رائے کے ردّ ہونے کی صورت میں یہ کیفیات نہ پیدا ہوں تو یہ اِس بات کی علامت ہو گی کہ آپ کا داعیہ جذبۂ عمل الحمدللہ ایمان کے کنٹرول میں ہے۔

یہ بات سمجھنے کے بعد درج ذیل آیۂ کریمہ کے حقیقی مفہوم کا لطف اُٹھائیے:

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝٧﴾ (الحجرات)

''اور جان لو کہ تم میں رسول ہے اللہ کا' اگر وہ تمہاری بات مان لیا کرے بہت کاموں میں تو تم پر مشکل پڑے' پر اللہ نے محبت ڈال دی تمہارے دل میں ایمان کی اور کھبا دیا اس کو تمہارے دلوں میں اور نفرت ڈال دی تمہارے دل میں کفر و گناہ اور نافرمانی کی۔ وہی لوگ ہیں نیک راہ پر''۔

درج بالا آیۂ کریمہ واشگاف[1] انداز میں بتا رہی ہے کہ صاحبِ امر کو مطیع بنانے کی کوشش درحقیقت کفر' فسق اور معصیت کا راستہ ہے۔ جبکہ ایمان اگر واقعتاً محبوب ہو گیا ہو تو صاحبِ امر پر اثر انداز ہونے کی خواہش کی جڑ از خود کٹ جاتی ہے۔ اگر یہ کیفیت حاصل ہو جائے تو یہی رشد و ہدایت اور سلامتی اور برکت کا راستہ ہے۔

درج بالا حقیقت سمجھنے کے بعد نجویٰ جیسے شیطانی عمل اور بَغْيًا بَيْنَهُمْ جیسی تفرقہ پیدا کرنے والی کیفیت سے نجات حاصل ہو جاتی ہے۔ اور سب سے بڑھ کر آخرت کی کامیابی یقینی ہو جاتی ہے۔

﴿تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا﴾ (القصص:٨٣)

''وہ آخرت کا گھر ہم نے اُن لوگوں کے لیے مخصوص کیا ہے جو نہ علو (ذات) کے خواہاں ہوتے ہیں نہ ہی بگاڑ پیدا کرتے ہیں''۔

پس معلوم ہوا کہ اکثریت کے احترام کا خوشنما مغربی نعرہ درحقیقت علّو ذات کا لطیف انداز ہے جس سے فساد کے علاوہ کوئی خیر برآمد نہیں ہوتا' لیکن جان لیجیے اس کا آغاز ''میں'' سے ''ہم'' کی طرف قدم بڑھانے سے ہوتا ہے۔ لہٰذا اپنی رائے صاحبِ امر تک تو ضرور پہنچائیے لیکن دوسروں کو ہمنوا[2] بنانے کا خطرناک راستہ ہرگز اختیار نہ کیجیے۔

(1) کھلا (2) ہم خیال

سلامتی کا راستہ

اگر آپ کی رائے صاحبِ امر کو پسند آ گئی ہو اور اُس کے مطابق فیصلہ بھی ہو گیا ہو تب بھی پھولے نہ سمانے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ کیونکہ آپ کی رائے صاحبِ امر کو پسند آئی ہے' ضروری نہیں کہ آپ کے ربّ کو بھی پسند آئی ہو۔ جیسے غزوۂ بدر کے موقع پر قیدیوں کے معاملے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے اختیار کی گئی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے کو ترک کر دیا گیا۔ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ اس معاملے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے صائب تھی۔ چنانچہ اچھی طرح جان لیجیے کہ اگر آپ نے محنت سے رائے بنائی ہو اور وہ درست اور صائب [1] بھی ہو تو آپ کے لیے عنداللہ دوہرا اجر محفوظ ہو جائے گا' خواہ آپ کی رائے کے مطابق فیصلہ کیا گیا ہو یا برعکس فیصلہ ہوا ہو۔ اور اگر آپ نے خلوص و اخلاص اور محنت و کوشش سے رائے قائم کی لیکن وہ درست اور صائب نہ تھی تب بھی آپ کے لیے عنداللہ اکہرا اجر ہو گا' خواہ آپ کی رائے مقبول ہوئی ہو یا مردود قرار پائی ہو۔ کسی معاملے میں آپ کے مصیب [2] یا مخطی [3] ہونے کا دارومدار ردّ کر دینے یا سندِ قبولیت عطا ہونے میں نہیں' بلکہ اللہ تعالیٰ کے علم پر موقوف ہے۔ چنانچہ نہ کامل طور پر آپ کو معلوم ہے نہ صاحبِ امر کو کہ صائب رائے کون سی ہے' لہٰذا محفوظ ترین راستہ یہ ہے کہ رائے ردّ ہونے کے بعد قلب زیادہ اطمینان محسوس کرے کہ غلط رائے کی قبولیت کی صورت میں ہونے والے نقصان میں آپ کا حصہ شامل نہیں ہوا۔

درج بالا امور کا جتنا گہرا شعور ہوتا چلا جائے گا اُتنا ہی شیطان کے ہتھکنڈوں سے محفوظ رہنے کا سامان ہو گا۔ اگر خدانخواستہ یہ ہدایات نظروں سے اوجھل ہو جائیں تو اندیشہ ہے کہ غیر شعوری طور پر انسان شیطان کا حمایتی بن جائے' جو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی ایک صورت ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر سے کہا تھا:

﴿يٰٓاَبَتِ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ۝٤٥﴾ (مریم)

''ابا جان! مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کو رحمٰن کا عذاب آ پکڑے گا تو آپ شیطان کے دوست ہو جائیں گے''۔

(۱) درست (۲) درست رائے دینے والا (۳) غلط رائے دینے والا

مزید برآں یہ استدراج کی علامت ہو سکتی ہے۔ تاہم جب استدراج کے بعد آزمائش کے لیے کوئی مصیبت آئے گی' طوفان اُٹھے گا' خوفناک صورتِ حال پیدا ہو گی یا محنتوں کے اکارت چلے جانے کے اندیشے پیدا ہوں گے تو اگر اُس وقت آپ نے اپنے آپ کو سنبھال لیا تو یہ اللہ کی خصوصی رحمت ہو گی۔ اور ایک حدیث نبویؐ کے مطابق صورتِ حال یہ ہو گی کہ: ((اِنَّ الرَّجُلَ لَيَصْدُقُ حَتّٰى يَكُوْنَ صِدِّيْقًا)) ''آدمی سچ پر کاربند رہتا ہے' یہاں تک کہ وہ اللہ کے ہاں ''صدیق'' لکھ دیا جاتا ہے''۔ لیکن اس آزمائش کے موقع پر اگر آپ پیٹھ پھیر گئے یا پہلو بچا گئے تو اس حدیث کے دوسرے حصے کے مطابق یہ صورت حال ہو گی کہ: ((وَاِنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّابًا)) [1] ''اور آدمی جھوٹ پر عمل پیرا رہتا ہے' یہاں تک کہ اللہ کے ہاں ''کذاب'' لکھ دیا جاتا ہے''۔ جان لیجیے یہی خسرانِ عظیم کی صورت ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھے اور شیطان کی چالوں کو سمجھنے کی بصیرت عطا فرمائے اور اُن سے محفوظ رکھے۔ آمین!

(یہ مقالہ قرآن اکیڈمی کراچی میں تنظیم اسلامی کے ملتزم رفقاء کے اجتماع منعقدہ دسمبر ۲۰۰۳ء میں پیش کیا گیا۔)

☆—☆—☆

(۱) صحيح البخاری' کتاب الادب' باب قول اللّٰه تعالیٰ: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۔ وصحیح مسلم کتاب البر والصّلة والآداب' باب تحریم الغنيمة۔